# رسائل و مسائل

## وقت کی جواب دہی اور احساس ذمہ داری

میں تقریباً ایک سال سے ایک گورنمنٹ سکول میں پڑھا رہی ہوں۔ میں نے تدریس محض شوق کے طور پر نہیں اپنائی بلکہ یہ میرا مقصد زندگی ہے۔ اور اسی مشن کو لے کر میں سکول آئی ہوں کہ معصوم بچوں کے ذہنوں پر ابتدا ہی سے خدا اور رسولؐ کا تصور بٹھا دیا جائے۔ میں نے اپنی ایک سالہ زندگی میں بہت سے تجربات حاصل کیے ہیں اور کافی حد تک کامیاب بھی رہی ہوں۔ لیکن جو بات میں بتانا چاہ رہی ہوں وہ یہ ہے کہ کچھ ٹیچر چھٹی کر کے اپنی حاضری لگاتے ہیں یا پھر بعض اوقات پورا وقت حاضر نہیں ہوتے جب کہ حاضری پورے وقت کی ہوتی ہے۔ میں الحمدللہ پوری کوشش کر رہی ہوں کہ اس بددیانتی سے بچوں۔ لیکن بعض اوقات عجیب صورت حال ہو جاتی ہے۔ تب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کروں۔ بالفرض چھٹی ۳ بجے ہے اور مجھے ایک گھنٹہ پہلے جانا پڑ جائے تو پھر کیا میں حاضری ۲ بجے تک کی لگاؤں؟ میرا اپنا دل تو یہی کہہ رہا ہوتا ہے کہ جتنی دیر تم سکول میں ہو اتنے ٹائم ہی کی حاضری ہونی چاہیے اور کرتی بھی یہی ہوں لیکن دیگر سٹاف کا اعتراض ہوتا ہے کہ ایسا مت کرو۔ ایک چھٹی کا مسئلہ ہوتا ہے کہ میں مہینے میں جتنی بھی چھٹیاں کروں ان کا اندراج کرتی ہوں جب کہ باقی کہتی ہیں کہ افسران بالا اس بات پر اعتراض کرتے ہیں' اس لیے محتاط رہا کرو۔ بعض اوقات سکول میں فراغت ہوتی ہے یا کوئی پیریڈ وغیرہ نہیں لینا ہوتا جیسے کسی فنکشن یا پیپرز وغیرہ کے دوران۔ جب کہ حاضری فل ٹائم ہی کی ہوتی ہے۔ ایسے میں کیا کیا جائے۔ ساتھیوں کا اصرار ہوتا ہے کہ فراغت ہے تو چلیں۔ جب کہ میں کہتی ہوں کہ پہلے اس ٹائم کی حاضری لگائیں پھر چلیں گے۔ کوئی بھی رضامند نہ ہو تو کیا میں ہی بیٹھی رہوں؟ یا اپنی حاضری اسی ٹائم کی لگا کر چل دوں---! یا پھر ان کے ساتھ رہوں۔ بقول ان کے جاب میں یہ سب چلتا ہے' لیکن میرا مشن صرف "رب کی رضا کا حصول" ہے۔ مجھے وہ جاب نہیں چاہیے جس میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو۔

معلمات و معلمین کے تاخیر سے سکول آنے یا مقررہ وقت سے قبل چلے جانے کے حوالے سے آپ نے جو سوالات تحریر کیے ہیں انھیں پڑھ کر اطمینان ہوا کہ الحمدللہ اس مقدس شعبے سے ابھی تک ایسی بہنیں وابستہ ہیں جن میں وقت کی جوابدہی اور ذمہ داری کا احساس شدت سے پایا جاتا ہے۔ یہی زندہ اقوام کی

شناخت اور بقا کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رجحان میں ترقی و برکت عطا فرمائے۔

اسکول میں تدریسی ذمہ داری ہو یا سرکاری دفتر میں انتظامی امور کی ادائیگی یا کسی دکان پر چوکیداری کی ذمہ داری، ایک کارکن ایسی کسی بھی ذمہ داری کو قبول کرتے وقت دراصل متعلقہ ادارے کے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہے کہ وہ ایک مقررہ معاوضے کے عوض ایک ادارے کو اپنا وقت، صلاحیت اور توجہ دے گا۔ قرآن کریم نے اہل ایمان کی ایک اہم صفت یہ بتائی ہے کہ وہ اپنے عہدوں پر قائم رہتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ (المومنون ۲۳:۸)۔ اس کے برخلاف طرز عمل کو ناپسند کیا گیا ہے اور صفات مردودہ میں شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں صاف طور پر یہ بات آئی ہے کہ منافق کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ جب عہد کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب امانت دی جائے تو خیانت کرے۔ گویا اسلام ایک مومن اور مومنہ میں جو سیرت و کردار پیدا کرنا چاہتا ہے اس میں امانت اور عہد کا پاس و احترام بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

اس عمومی اصول کی روشنی میں اگر ایک شخص ایک ادارے سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ وہ ہفتہ میں ۴۰ گھنٹے ایک کام ذمہ داری سے ادا کرے گا یا ہفتہ کے ۵ دنوں میں روزانہ ۸ گھنٹے کام کرے گا اور پھر وہ صرف ۴ یا ۶ گھنٹے روزانہ کام کرے تو یہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہے جو اخلاقاً اور قانوناً غلط ہے۔ اس کے برخلاف اگر وہی فرد ادارے سے بات چیت کر کے شرائط میں تبدیلی کرا لے اور طے پا جائے کہ بجائے ۸ گھنٹے روزانہ کام کرنے کے وہ ہفتہ میں ۶ دن روزانہ ۷ گھنٹے کام کرے گا یا ہفتہ میں ۴ دن لیکن ۱۰ گھنٹے روزانہ کام کرے گا، تو جب تک مطلوبہ کارکردگی کا حصول ہو رہا ہے اس باہمی انتظام (Adjustment) سے معاہدے کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک فرد ادارے سے طے کر لے کہ وہ نصف کام ادارے میں اور نصف اپنے گھر پر کرے گا۔ غرض جب ایک فرد اور متعلقہ ادارے کے باہمی مشورے سے شرائط ملازمت میں ردو بدل کیا جائے تو اسلامی نقطہ نظر سے کوئی حرج نہیں۔

لیکن اگر معاہدہ تو کیا جائے صبح ۸ بجے سے ۴ بجے تک کام کرنے کا، اور ایک شخص ساڑھے نو بجے دفتر آئے اور ایک گھنٹہ اخبار پڑھتا رہے پھر چائے کا وقفہ کر لے اور ایک آدھ گھنٹہ کام کرنے کے بعد نماز کے لیے ایک لمبے وقفے میں چلا جائے اور پھر کھانے کی چھٹی کر لے حتیٰ کہ ۴ بج جائیں اور بغیر کوئی کام کیے گھر چلا جائے تو چاہے وہ وقت پر آیا ہو اور وقت پر دفتر سے نکلا ہو، یہ طرز عمل نہ امانت پر مبنی ہے نہ احساس ذمہ داری پر۔

آپ نے جو مختلف پہلو اپنے سوال میں لکھے ہیں ان کے سلسلے میں مندرجہ بالا گزارشات کی روشنی میں کئی شکلیں پیدا کی جا سکتی ہیں۔ آپ اپنے سکول کی پرنسپل سے مل کر طے کر سکتی ہیں کہ اگر کسی دن آپ کی کوئی کلاس نہ ہو یا نصف دن خالی ہو تو اس میں وقت کا استعمال کس طرح کیا جائے۔ آیا گھر جا کر اس وقت

کو پڑھانے کے لیے تیاری میں صرف کریں یا اسکول کے کسی اور کام میں اس وقت کو استعمال کرلیں یا اپنے ذاتی کاموں کے لیے کلی یا جزوی طور پر استعمال کریں۔ اس طرح اسکول تاخیر سے آنے کی شکل میں رضامندی سے طے کرلیا جائے کہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اسکول میں دیر تک یا اسکول کے کسی کام کو گھر لے جاکر اضافی وقت دے کر کر دیا جائے۔

جہاں تک معلمہ بلارخصت غیرحاضری اور غیرحاضری کے باوجود اپنے آپ کو حاضر دکھانے کا ہے' یہ اسلامی طور پر قطعاً ناجائز ہے۔ یہ نہ صرف غلط بیانی' معاہدہ کی خلاف ورزی اور سرقہ ہے بلکہ آیندہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک گمراہ کن نمونہ قائم کرنا ہے۔

ایک معلمہ کا اصل اثاثہ علم نہیں سیرت و کردار ہے جو اسے علم کا امین اور انبیا کا وارث بناتی ہے۔ تعلیم و تعلم تو ایک مقدس فریضہ ہے ہی' اگر ایک شخص کسی مقام پر چوکیدار ہو اور وہ بجائے چوکیداری کرنے کے دن بھر سوتا رہے اور رات کو بھی چوکنا نہ رہے تو یہ کون سی امانت اور احساس فرض ہو گا۔ گویا اپنی ملازمت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ایک فرد کے امانت دار ہونے کے لیے ضروری ہے۔ (ڈاکٹر انیس احمد)

## ولدیت کے خانے میں غیر والد کا نام

کچھ لوگ جن کے کاغذات یورپ کے بنے ہوئے ہوتے ہیں یعنی وہ یہاں قانونی طور پر رہایش رکھتے ہیں یا یہاں کی شہریت رکھتے ہیں' وہ اپنے کاغذات پر اپنے کسی قریبی رشتے دار کے' مثلاً اپنے بھائی' بہن یا کسی دوسرے رشتے دار کے بچے لکھوا دیتے ہیں۔ یعنی بچوں کو یورپ میں لانے کے لیے کاغذات میں بچے کے والدین تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ہمیشہ کے لیے پاکستان میں بھی اور یورپ میں بھی اصلی والدین تبدیل رہتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

آپ نے بیرون ملک مستقل طور پر مقیم افراد کے حوالے سے پوچھا ہے کہ کیا وہ اپنے کسی عزیز یا بھائی بہن کے بچوں کو اپنے بچے درج کرا کے قانونی کاغذات کے ذریعے بیرون ملک لے جاسکتے ہیں۔ قرآن پاک نے ہمیں اس سلسلے میں حضرت زید بن حارثہؓ کے حوالے سے یہ بات سمجھائی ہے کہ گو وہ مکہ مکرمہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اس طرح پلے بڑھے تھے کہ لوگ انھیں زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے تھے لیکن اسلامی اصول جسے قرآن نے خود طے کر دیا ہے یہ ہے کہ اولاد اس کی جس کے بستر پر پیدا ہو یعنی بچہ کی نسبت برمبنائے رحم ہو گی' برمبنائے شہرت نہیں ہو گی۔

مسلمان فقہا کا پندرہ صدی سے اس بات پر اجماع ہے کہ بچے کی نسبت اس کے حقیقی ماں باپ کی

طرف ہی کی جائے گی۔ اس لیے کسی قانونی دستاویز میں اس نسبت کو تبدیل کرنا اسلامی اصول کے منافی ہو گا۔ اس فقہی صورت حال کے باوجود اگر ایک شخص امریکہ یا یورپ میں اچھے مالی حالات میں ہے اور اس کے بھائی کے بچے یا بہن کے بچے مشکل میں زندگی گزار رہے ہیں تو وہ کیا کرے؟ کیا ان بچوں کو اپنی سگی اولاد ظاہر کر کے اپنے پاس لے آئے اور ان کی تعلیم و پرورش اعلیٰ معیار پر کرے؟ میرے خیال میں اصل مسئلہ فقہی نہیں ہے۔ اسلام نے ہر صاحب حیثیت فرد پر اپنے اعزہ و اقربا کے بعض حقوق متعین کر دیے ہیں جن پر عمل ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی ایک نظام کفالت بھی بنا دیا ہے تاکہ جو لوگ براہ راست مادی فائدہ نہیں حاصل کر سکتے انھیں بھی ہر قسم کی امداد فراہم کی جا سکے۔

اسلام ہر پیدا ہونے والے بچے کے رزق، تعلیم، صحت، تحفظ، عزت اور کاروبار حیات کو جائز طور پر سرانجام دینے کے لیے وسائل کی فراہمی کا ذمہ لیتا ہے۔ اور اگر ایک بچے کے جائز نگران انھیں سہولتیں فراہم کرنے سے عاجز ہوں تو ریاست اس کے ان تمام بنیادی امور کا ذمہ لیتی ہے۔ گویا کسی بچے کی امداد یا کسی عزیز کی مالی امداد کرنے کا محض ایک یہی ذریعہ نہیں ہے کہ اس بچے کا نسب تبدیل کر کے اپنے آپ سے منسوب کر دیا جائے۔ آخر ایک بیرون ملک پاکستانی کو اس بات سے کس نے روکا ہے کہ وہ اپنے بھائی یا بہن کے بچے کی تعلیم، صحت اور لباس وغیرہ کے خرچہ کے لیے ہر ماہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ بھیج کر اس کی مناسب و اعلیٰ تعلیم کا بندوبست کرے جب کہ وہ بچہ اپنے والدین کے پاس ہی ہو۔ یہی شکل ایک ایسے بچے کے لیے بھی اختیار کی جا سکتی ہے جو قریبی عزیز نہ ہو لیکن ضرورت مند ہو۔ جہاد کشمیر سے متاثر ہونے والے ہزارہا بچوں کے لیے بیرون ملک پاکستانی اور اندرون پاکستان دردمند حضرات و خواتین تعلیم و تربیت کے لیے خرچہ کا بندوبست کرتے ہیں اور بغیر بچوں کا نسب تبدیل کیے یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

ایک اور مشکل جو قیاس کی جا سکتی ہے وہ ایسے لااولاد افراد کا مسئلہ ہے جو کسی عزیز کے بچے کو متبنیٰ بنا کر اپنے پاس لانا چاہتے ہوں۔ اس شکل میں اسلام کا اصول تو اوپر واضح ہو چکا ہے کہ ایسا کرنا مناسب نہیں، ہاں اگر کسی ملک کا قانون یہ اختیار دیتا ہو کہ بغیر نسب تبدیل کیے اس بچے کو کاغذی کارروائی کے بعد پاکستان سے باہر لے جا کر پرورش کیا جائے اور یہ کام اللہ کو خوش کرنے کے لیے ہو تو گو وہ بچہ اپنے حقیقی ماں باپ کی اولاد ہی کہلائے گا لیکن اس طرح اس کی تعلیم و تربیت ایک صدقہ جاریہ کا درجہ رکھے گی۔ اور اس کا اجر اچھی تربیت کرنے والے افراد کو ملے گا۔ ہمارے اپنے دور میں اور بعد کے ادوار میں ایسی صورتیں پیش آ سکتی ہیں جب بچوں کی ایک تعداد یتیم ہو جائے جیسا کہ جہاد کشمیر یا جہاد بوسنیا یا جہاد چیچنیا وغیرہ میں ہوا۔ قرآن پاک نے زکوٰۃ کی لازمی تقسیم میں اس مد کو شامل کر کے ہمیشہ کے لیے اس مسئلہ کا حل تجویز کر دیا ہے۔ پھر صدقات کے حوالے سے یہ بات طے کر دی ہے کہ ایسے افراد کو بے سہارا نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ

ان کی مستقل مالی امداد کی جائے گی۔ اس کی شکلیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ یہ محض انفرادی امداد کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ایسے ادارے قائم کیے جا سکتے ہیں جو بطور وقف کے صرف تعلیم و فلاح کے کاموں کے لیے اپنے وسائل استعمال کریں۔ (ا۔ا)

## الکوحل کا بطور پرفیوم استعمال

آج کل جتنی بھی پرفیوم بنتی ہیں ان میں کچھ فیصد الکوحل شامل ہوتی ہے۔ کچھ پر لکھا ہوتا ہے اور کچھ پر نہیں بھی لکھا ہوتا۔ لکھا ہوا ہو یا نہ لکھا ہوا ہو، ان میں الکوحل کی تھوڑی سی مقدار ضرور شامل ہوتی ہے۔ کیا یہ خوشبو استعمال کرنا جائز ہے؟ یہ خوشبو استعمال کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ کیونکہ اس میں شک کی گنجایش نہیں ہے کہ الکوحل شامل ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور کچھ کی رائے ہے کہ الکوحل کی وجہ سے نہیں لگائی جا سکتی۔ آپ اس بارے میں رہنمائی فرمائیں۔

آج کل جو کولون وغیرہ مردوں اور خواتین کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں ان میں الکوحل کو بطور base استعمال کیا جاتا ہے اور عطریات کو اس میں حل کر کے مختلف قسم کے کولون تیار کیے جاتے ہیں۔ آپ کے سوال میں اس سلسلے میں دو پہلو اٹھائے گئے ہیں۔ پہلے کا تعلق الکوحل کے بیرونی طور پر لباس یا جسم پر استعمال کرنے سے ہے اور دوسرے کا تعلق الکوحل سے بنے ہوئے عطریات لگانے کے بعد نماز کی ادائیگی سے ہے۔

یہ بات تو قرآن پاک نے ہمیشہ کے لیے طے کر دی ہے کہ خمر جس میں الکوحل زیادہ مقدار میں ہوتی ہے، ناپاک (رجس) ہے اور عمل شیطان ہے۔ اس لیے اس سے مکمل طور پر اجتناب کرنا چاہیے (المائدہ ۵:۹۰)۔ آیت تحریم خمر کے بعد قیامت تک خمر اور مسکرات کو جائز نہیں کیا جا سکتا، لیکن کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ الکوحل کے دیگر استعمالات کو بھی قرآن کریم نے حرام قرار دے دیا۔ اس پر ایک سے زائد فقہی آرا پائی جاتی ہیں۔ قرآن پاک نے ہی ایک اور مقام پر یہ بات کہی ہے کہ "اس میں بڑی برائی ہے اور انسانوں کے لیے کچھ نفع بھی" (البقرہ ۲:۲۱۹)۔ گو آیت تحریم خمر نشہ آور اشیا یا مسکرات کے استعمال کی مخالف ہے اور اس آیت کا نسخ کرتی ہے لیکن بطور مشروب ممانعت کے باوجود اس میں گنجایش نکلتی ہے کہ الکوحل کو کسی ایسے استعمال میں جس میں عوام الناس کے لیے نفع ہو، استعمال کیا جا سکے۔

شریعت کا معروف اصول ہے کہ ضرورت بعض ممنوع اشیا کو بھی وقتی اور محدود طور پر مباح کر دیتی ہے۔ اس لیے اگر بعض عطریات صرف الکوحل ہی میں حل کر کے استعمال کیے جا سکتے ہوں تو الکوحل کا یہ استعمال اس غرض کے لیے ممنوع شمار نہیں کیا جائے گا۔ اس وقت دنیا میں ایک معروف طریق علاج

ہومیوپیتھی بھی ہے جس میں ایسے اجزا استعمال کیے جاتے ہیں جو صرف الکوحل میں حل ہو سکتے ہیں۔ ان ادویات کو بطور عطر جسم پر ملا نہیں جاتا بلکہ ایک دو قطرے پانی میں ملا کر بطور دوا استعمال کیے جاتے ہیں یا منی منی شکر کی گولیوں پر یہ قطرے ڈل کر دوا گولیوں میں منتقل کی جاتی ہے۔ یہ الکوحل اڑ جاتی ہے اور گولی پر صرف دوا کا اثر رہ جاتا ہے۔ میرے علم میں نہیں کہ ہمارے فقہا اس استعمال کو ناجائز قرار دیتے ہوں۔ ایسے ہی بعض عطریات ہیں جو صرف الکوحل میں حل ہو سکتے ہیں۔

اب چند لمحات کے لیے اس پر غور کریں کہ جسم یا لباس پر کولون کے استعمال کے بعد کیا صورت حال واقع ہوتی ہے۔ الکوحل چند لمحات میں بخارات کی شکل میں اڑ جاتی ہے اور جسم پر صرف خوشبو باقی رہ جاتی ہے، گویا جسم پر جو چیز باقی رہتی ہے وہ عطر ہے، نہ کہ الکوحل جس کی بنا پر لباس یا جسم کو نجس تصور کیا جائے۔ ہم یہاں پر اس بحث میں نہیں جانا چاہتے کہ خود الکوحل میں جو نجاست ہے وہ مادی ہے یا روحانی و اخلاقی۔ چونکہ الکوحل جسم یا لباس پر باقی نہیں رہتی اس لیے جسم یا لباس کا نجس ہونا اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ ہم نے جان کر یہاں اس دلیل کا ذکر نہیں کیا جسے بعض ہم عصر علما بنیاد بناتے ہیں یعنی اہل مدینہ کا عمل۔ ان کا کہنا ہے کہ حرمین شریفین کے علما کولون کے استعمال کو نہ صرف جائز سمجھتے ہیں بلکہ عملاً خود استعمال کرتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں قباحت نہیں۔ ہماری رائے کی بنیاد صرف قرآن و حدیث کا ظاہر مفہوم ہے۔

ایک آخری بات، اگر کسی شخص کا دل جسے ایک حدیث صحیح میں مفتی کہا گیا ہے اس تعبیر و تشریح سے مطمئن نہ ہو تو یہ قطعاً ضروری نہیں ہے کہ کولون ہی استعمال کر کے معطر ہوا جائے۔ ہمارے روایتی عطریات جو عموماً کسی تیل کو بنیاد بنا کر بنائے جاتے ہیں، دنیا میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں، ان کا استعمال کریں۔ اور اگر آپ کا قلب مندرجہ بالا رائے پر مطمئن ہو تو کولون کو گناہ سمجھتے ہوئے نہیں قلب کی صفائی کے ساتھ استعمال کریں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ا۔ا)

## زرعی اراضی کی تحدید ملکیت

کیا زرعی زمین کی زیادہ سے زیادہ ملکیت کی کوئی حد مقرر کرنا قرآن و سنت کے احکام سے متصادم امر ہے؟ کیا قومی اور ملکی مفاد میں حکومت وقت، ملکیت زمین کی کوئی حد مقرر کر سکتی ہے یا اس کی مجاز ہے؟

شریعت اسلامیہ میں حلال اور جائز ذرائع سے ملک شدہ اشیا بشمول اراضی وغیرہ کی ملکیتی تحدید کے بارے میں خصوصی اصول و ضوابط اختیار نہیں کیے گئے ہیں۔ البتہ انفرادی ملکیت کے مفاد عامہ اور اجتماعی مصالح پر جو اثرات مترتب ہوتے ہیں ان کے تناظر میں ایسے قواعد موجود ہیں جو ذاتی حق ملکیت کی عمومیت کو

نمایاں حد تک کچھ خصائص اور شرائط کا پابند بناتے ہیں۔

زرعی اراضی کی تحدید ملکیت کا مسئلہ مختلف ریاستوں میں نوعیت کے اعتبار سے متفاوت ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ ذرائع ملکیت یکساں حکم نہیں رکھتے اور نہ ہی ایک علاقے کا عمومی مفاد دوسرے علاقے کی اجتماعی مصلحتوں سے یقیناً مشابہت رکھتا ہے۔ معروضی اعتبار سے بھی یہ مسئلہ کافی تفصیل طلب ہے لیکن فی الوقت جملہ تفصیل ہمارا موضوع نہیں' لہٰذا ہم محض تحدید ملکیت کو جواز فراہم کرنے والے ان قوانین کا ذکر کریں گے جو کسی بھی ریاست کے لیے مخصوص حالات اور شرعی مقاصد میں مذکورہ اقدام کی وجہ جواز بن سکتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ قوانین ذاتی حقوق ملکیت میں ریاست کی مداخلت اور استحقاق کو ثابت کرتے ہیں۔ غالباً انھی خاص اصولوں کے سبب یہ مسئلہ از قبیل اجتہاد دکھائی دیتا ہے اور تحدید ملکیت کے بارے میں خلفاے راشدین اور دیگر اسلامی حکمرانوں کا تعامل دیکھ کر واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی اسلامی حکومت میں مصلحت عامہ کے تحت یہ موضوع **اولی الامر** کے لیے محل اجتہاد ہے۔

۱۔ **الحجر ۔ ذاتی ملکیت میں تصرف سے ممانعت:** مذاہب اربعہ کے فقہا اس بات پر تقریباً متفق نظر آتے ہیں کہ کسی بھی شخص پر ضیاع مال' لغویات میں انہماک' اسراف و تبذیر' لہو و لعب اور مکروہ و حرام امور میں مبتلا ہو جانے کے سبب ریاست ایسی پابندی عائد کر سکتی ہے جو اس شخص کے لیے ذاتی املاک میں کسی بھی تصرف کو ممنوع قرار دے دے۔(۱)

۲۔ **زائد اموال میں ریاست کی مداخلت:** اس قاعدے کی بنیاد اگرچہ قرآن پاک میں محض ترغیب کے پہلو سے ذکر ہوئی ہے(۲) مگر خلفاے راشدین میں سے حضرت عمرؓ(۳) اور حضرت عثمان غنیؓ(۴) سے یہ ثابت ہے کہ وہ دونوں بطور حاکم لوگوں سے عند الضرورت اس کا مطالبہ کرتے رہے۔ حضرت عثمانؓ نے کئی سابقہ عطیات واپس لے لیے۔(۵) بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی اسی سنت پر عمل کیا اور کئی جاگیریں قومی تحویل میں لے لیں۔(۶) عملی اقدام کے علاوہ حضرت عمرؓ نے اس نظریے کا اظہار ایک سے زائد مرتبہ کیا(۷)۔

۳۔ **التسعیر ۔ لوگوں کی قابل فروخت مملوکہ اشیا کی جبراً قیمت مقرر کرنا:** عمومی اصول کے مطابق انسان مملوکہ اشیا کی اپنی مرضی کے مطابق خرید و فروخت کر سکتا ہے اور ان کی قیمت مقرر کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے مگر مخصوص حالات میں ریاست عام افراد سے ان کی یہ آزادی سلب کرنے کا حق رکھتی ہے اور اپنی مرضی سے قیمتوں کا تقرر کر سکتی ہے جو عام لوگوں کی قوت خرید کے عین موافق ہو۔ اس قانون کی عملی تفاصیل میں اگرچہ اختلاف کی گنجایش موجود ہے مگر اسلامی شرع میں اس اصول کی اہمیت اور حقیقت کا اقرار کیا گیا ہے۔(۸)

اسلامی ریاست عام مسلمانوں کے اجتماعی مفاد اور عمومی مصلحت کا تحفظ چونکہ بجز ایسے قوانین کے نہیں

کر سکتی لہٰذا ان کا نفاذ حسب حاجت ضروری قرار پاتا ہے(۹)۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسلامی ریاست مصلحت اجتماعی اور فائدہ عامہ کی خاطر لوگوں کی کچھ اشیا جبراً خرید سکتی ہے(۱۰)۔

۴۔ **صدقات واجبہ کے علاوہ ریاستی محصولات:** محصولات شرعیہ کا معاملہ بہت واضح ہے مگر شریعت اسلامیہ میں اسلامی ریاست کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ بنیادی حکومتی فرائض اور کفالت عامہ کے قیام کے لیے لوگوں پر مزید محصول عائد کرے(۱۱)۔

۵۔ **عقوبات مالیہ:** بنیادی طور پر اسلامی ریاست میں سزاؤں کا مقصد انفرادی و اجتماعی مفادات کا تحفظ اور انھیں فساد و مضرت سے بچانا ہوتا ہے لیکن مالی سزاؤں اور جرمانوں میں انفرادی ملکیتوں کے اندر ریاستی مداخلت کا تصور بھی پایا جاتا ہے(۱۲)۔ اس باب کا اتنا ہی حصہ ہمارے موضوع سے متعلق ہے کہ سزا کے طور پر لوگوں کے اموال کی تلفی (بلامعاوضہ) اور ضبطی بھی اس میں شامل ہیں(۱۳)۔

مندرجہ بالا قوانین پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عمومی طور پر ریاست افراد کی ملکیتوں پر اجتماعی مصالح اور مفاد کی خاطر حق تصرف رکھتی ہے۔ زرعی زمینوں کا معاملہ بھی ان سے جدا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ بھی منجملہ انھی ملکیتوں کے ہے بالخصوص ایسی زرعی زمینیں جن کی ملکیت شبہ اور شک سے خالی نہ ہو ان پر تو اسلامی حکومت بالاولیٰ تحدیدی اقدامات کر سکتی ہے جب کہ وہ غیر مشتبہ اور صافی تملیکات میں بھی اپنا حق تصرف رکھتی ہو جیسا کہ سطور بالا سے واضح ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ مشہور و معروف معاصر علما کرام اور اسلامی مفکرین نے بھی تحدید اراضی کے جواز کا فتویٰ دیا ہے(۱۴)۔

**(عبدالحق ہاشمی، توثیق مولانا عبدالحق بلوچ)**

## حوالے

۱۔ الفقہ علی المذاہب الاربعہ للجزیری ج ۲، ص ۴۷۸۔۴۸۳۔

۲۔ کفایہ شرح ہدایہ۔ کتاب الحجر، نیز دیکھیے المبسوط للسرخسی ج ۲۴، ص ۱۵۵

۳۔ تاریخ طبری دیکھیے حوادث ۲۳، ص ۲۷۷۴ نیز دیکھیے المحلی لابن حزم الاندلسی ج ۶، ص ۱۵۸

۴۔ تاریخ طبری حوادث ۳۴، ص ۹۔۲۹۴۸

۵۔ ایضاً

۶۔ دیکھیے خلیفہ الزاہد عمر بن عبدالعزیز، ص ۹۹، عبدالعزیز السید۔

۷۔ البدایۃ والنہایہ لابن کثیر ج ۷، ص ۴۶ نیز تاریخ طبری حوادث ۱۶، ص ۲۴۸۷۔ الادب المفرد للبخاری ص ۸۲۔۸۳، طبقات ابن سعد ۳، ص ۳۱۷

۸۔ تفصیل کے لیے دیکھیے الاشباہ والنظائر لابن نجیم ص ۱۲۱۔۱۲۹، الحسبہ فی الاسلام لابن تیمیہ، باب السعر

نیز الہدایہ باب الکراہیہ

۹۔ الاحکام فی اصول الاحکام الامدی ج ۱، ص ۱۵۸۔ السیاسیہ الشرعیہ لابن تیمیہ ص ۱۳۷۔ القرطبی احکام القرآن ج ۲، ص ۸۵

۱۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیے الحسبہ فی الاسلام لابن تیمیہ ص ۱۹۔۲۳۔۳۷۔ مزید دیکھیے الطرق الحکمیہ لابن قیم، ص ۲۲۳۔۲۲۴

۱۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے الاعتصام للشاطبی، ج ۲، ص ۲۹۵ تا آخر بحث۔ المبسوط للسرخسی ج ۱۰، ص ۲۰ نیز دیکھیے المحلی لابن حزم ج ۶، ص ۱۵۶۔ اور المستصفی للغزالی ج ۱، ص ۳۰۳۔۳۰۴ الاحکام السلطانیہ للماوردی باب احکام الحسبہ الاحکام السلطانیہ لابی یعلی الموصلی ص ۲۷۳۔۲۷۴

۱۲۔ نیل الاوطار للشوکانی ج ۴، ص ۱۸۱۔ فتاوٰی بزازیہ ۲، ص ۴۵۷۔ التعزیر فی الشریعہ الاسلامیہ ص ۲۳۳۔۲۴۴ لدکتور عبدالعزیز عامر۔ تفصیل کے لیے دیکھیے التشریع الجنائی فی الاسلام عبدالقادر عودہ شہید، عقوبہ المرتد نیز کتاب الاموال لابی عبیدہ، ص ۳۷۶

۱۳۔ المرجع السابق، نیز فتوح البلدان للبلاذری ص ۳۷۷۔ سیرت ابن ہشام ج ۲، ص ۴۲، ج ۳، ص ۳۶۔ الحسبہ لابن تیمیہ ص ۴۱ ومابعدہ

۱۴۔ تفصیلاً دیکھیے الاموال ونظریہ العقد فی الفقہ الاسلامی لدکتور یوسف موسیٰ ص ۱۹۹۔ مسئلہ ملکیت زمین، سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ الاشتراکیہ فی الاسلام ص ۱۲۹ دکتور مصطفیٰ السباعی۔ اسلام کا نظریہ ملکیت، ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی ج ۲، ص ۲۴۵ تا آخر بحث۔ نیز دیکھیے موقف الاخوان من تحدید الملکیہ، حسن الہضیبی مرشد العام الاسبق للاخوان۔

---

**سالانہ خریداروں** سے درخواست ہے کہ اگر ان کو پرچہ ۱۰ تاریخ تک بھی نہ ملے تو ازراہ کرم دفتر کو مطلع کر دیں تاکہ دوبارہ ارسال کیا جا سکے۔

ہم اس تعاون پر ممنون ہوں گے۔

کراچی کے خریدار **بک ڈسٹری بیوٹرز** (فون ۷۷۸۷۱۳۷) پر خریداری نمبر کے ساتھ نوٹ کروا دیں۔

مینیجر